Tarjihaat
Volume: V
Issue: VII-VIII
۲۰۲۵ جولائی-اگست
July-August 2025
ترجیحات
ISSN: 2583-0082
Online Research Journal

ڈاکٹر امتیاز وحید

شعبہ اردو، کلکتہ یونیورسٹی

مرشد (خاکہ)

نومبر 2017ء میں درگاپوجا کے بعد کلکتہ یونیورسٹی میں کاروبارِ حیات معمول پر آتے ہی شعبہ اردو میں حاضر ہوا توڈاکٹر ندیم احمد سے میری پہلی باضابطہ ملاقات ہوئی۔ اسی دن یا اسی کے آس پاس کسی دن جیلانی صاحب بھی شعبے میں تشریف لائے، تعارف ہوا تو بڑی اپنائیت سے ملے اور مفید مشوروں سے نوازا۔ پہلے دریافت کیا کہ کہاں قیام ہے؟اس وقت میں شمسی گیسٹ ہاؤس، چونا گلی میں مقیم تھا، پھر رفتہ رفتہ گاؤں سے بچے آئے اور زندگی معمول پر آتی چلی گئی۔ وہ میرے ذاتی معاملات میں اس قدر دلچسپی لینے لگے کہ دو ایک روز ہی میں غیریت ختم ہو گئی۔ جیلانی صاحب کو فکر دامن گیر ہوئی کہ جب تک مجھے کوئی مستقل ٹھکانہ نہیں مل جاتا بچوں کا داخلہ کیسے ممکن ہو پائے گا اور ہم گیسٹ ہاؤس میں کب تک رہیں گے۔ لہٰذا انھوں نے کلکتہ یونیورسٹی کے ٹیچرس کوارٹر کی بابت تفصیلی معلومات فراہم کیں اور کہا کہ فارم پُر کر دیجیے تاہم محض اسی سے کام نہیں چلے گا، الگ سے ایک چٹھی بھی لکھنی ہوگی تا کہ شیخ الجامعہ آپ کی درست پوزیشن سے واقف ہو جائیں اور آپ کو کوارٹر مل جائے۔ انھوں نے ہی کانکور گاچھی کے فلیٹ میں مقیم ڈاکٹر شکیل احمد کے بارے میں بتایا کہ ان سے بھی مل لیجیے۔ یہیں شعبۂ عربی و فارسی میں استاد ہیں اور جے این یو سے فارغ ہیں۔ جیلانی صاحب کے مشورہ پر عمل کیا، فارم پُر کیا اور پھر میرے رفقائے کار متحرک ہو گئے۔ کئی بار ڈاکٹر ندیم احمد متعلقہ سیکشن میں میرے ساتھ گئے اور گہار لگائی بالآخر یہ مرحلہ بھی خواہر مہربان ڈاکٹر زرینہ خاتون کی ذاتی کوششوں سے طے پایا اور کلکتہ میں میری رہائش کا بڑا مسئلہ حل ہو گیا۔ یہ پہلا فیض تھا، جو مجھے جیلانی صاحب کے مفید مشوروں اور ان کی رہنمائی کے طفیل حاصل ہوا۔

شعبہ اردو، کلکتہ یونیورسٹی میں میرے ابتدائی ایام (ماہ و سال) بڑے یادگار گزرے۔ پروفیسر شہناز نبی سبکدوش ہو چکی تھیں لیکن غبارِ کارواں کی طرح فضا میں ان کی موجودگی کا احساس باقی تھا۔ زمامِ کار ڈاکٹر ندیم احمد کے ہاتھوں میں تھی۔ وہ تنہا اس کشتی کے مانجھی تھے اور بڑی مہارت سے شعبے کے نظام کو چلا رہے تھے۔ ان کے گرد پروفیسر شمیم انور، جناب حیدر صفت،

پروفیسر عبدالمنان، ڈاکٹر الماس حسین، ڈاکٹر فاروق اعظم اور ڈاکٹر عرفان نقوی جیسے سابق اور معاصر اساتذہ کی ایک کہکشاں موجود تھی۔ شعبے میں بڑی رونق تھی۔ جیلانی صاحب اسی قافلے میں شامل تھے۔ ان کی ذات رونقِ بزم تھی۔ جیلانی صاحب کو خوش مزاج اور ہمدرد پایا۔ وہیں پہلی بار ان کے قہقہوں سے ملاقات ہوئی اور ہم بے تکلفی کے بندھن میں بندھتے چلے گئے۔ ان کے مشفقانہ بلکہ دوستانہ برتاؤ میں بڑی اپنائیت تھی۔ افسوس کہ مجھے جیلانی صاحب کی گرمیِ صحبت سے زیادہ دنوں تک فیض یاب ہونے کا موقع نہیں مل پایا۔ دو ایک سال بعد ہی صوبائی حکومت کے ضابطے کے مطابق انھیں شعبے سے جدا ہونا پڑا۔ اس مختصر مدت میں ان کی باغ و بہار شخصیت کو قریب سے دیکھنے، بہت کچھ سیکھنے اور کلکتہ کے ادبی ماحول کو سمجھنے کا موقع ہاتھ آیا۔ محسوس ہوا کہ وہ کلکتہ میں اردو کے تمام دجلہ و فرات کے شناور رہے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اس کے گرد و نواح اور اردو بستیوں میں بہنے والے ذیلی ندی نالوں کی بھی خبر رکھتے ہیں اور اردو کے لیے کام کرنے والوں کے سچے قدر دان ہیں۔ اساتذہ، سینیر اور اپنے نگراں کا ذکرِ جمیل ان کی نوکِ زبان پر رہتا ہے۔ صلحِ کل کے آدمی ہیں۔ ادبی بوہیمزم ان کا مسلک نہیں اور نہ ہی گروہی حد بندی ان کی منزل ہے۔ وسیع المشرب اور کشادہ ظرف انسان ہیں۔ وہ سمندر کے کھارے اور میٹھے پانی کے فرق کو بخوبی جانتے ہیں لیکن کبھی جارحانہ تنقید کرتے ہیں اور نہ کسی کی مذمت۔ جہاں ذم کا سیاق ہو وہاں زیرِ لب تبسم اور پانی بالکل گدلا بلکہ بدذائقہ اور بدبودار ہو تو قہقہہ بکھیر کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔

جیلانی صاحب کی شخصیت کھلی کتاب کے مانند واضح ہے۔ کہیں ژولیدگی نہیں، دھلی دھلائی عبارت کی طرح رواں، دلچسپ اور پر کشش۔ ورق ورق میں سادگی اور افادیت پسندی ہے۔ میں نے پایا کہ وہ کلکتہ کے نبض شناس ہیں۔ یہی نہیں بلکہ وہ یہاں کے مشترکہ ثقافتی رنگ کے مداح اور مؤید بھی ہیں۔ سیاسی مسلک نے ان میں انسانی ترحم اور غریب پروری کی صفت پیدا کی ہے اور ان کے دل کو گداز بنادیا ہے۔ وہ کلکتہ کی مسلم بستیوں میں روزی روٹی کی خاطر یوپی بہار سے آنے والوں کی صورت حال سے گہری واقفیت رکھتے ہیں اور ان کی جدوجہد کے عینی شاہد بھی ہیں؛ اس رعایت سے انھیں مضافات کی بستیوں میں اردو کی سرگرمیوں سے بھی گہری دلچسپی ہے۔ اس پہلو پر ان کی گفتگو بڑی لطیف اور کارآمد ہوتی ہے اور مخاطب بہ آسانی یہاں اردو کے مختلف ادوار اور اس کے لیے زمین فراہم کرنے والے ادبا، شعرا اور بہی خواہان کی کارگزاریوں سے واقف ہو سکتا ہے۔ فروغِ اردو کے سلسلے میں وہ کلکتہ یونیورسٹی کے شعبے سے وابستہ طلبہ اور اساتذہ کے بھی بڑے مداح ہیں۔ وہ اس بات کے بھی شاہد ہیں کہ جدید ہندوستانی زبانوں (MIL) کے وفاقی ڈھانچے سے ہندی کے معاً بعد اردو نے کس طرح ایک خود مکتفی شعبے کی حیثیت حاصل کی

اور پھر بڑی مضبوطی کے ساتھ آگے کے سفر پر گامزن ہوتی چلی گئی۔اس سیاق میں وہ اپنے اساتذہ بطورِ خاص پی ایچ ڈی کے اپنے مشرف کے بڑے ہی مداح اور قدر دان نظر آتے ہیں۔جیلانی صاحب کی گفتگو نے یہ آسانیاں پیدا کیں کہ میرے لیے کلکتہ کے بالکل اوائلی دور میں ہی یہاں کی ادبی کار گزاریوں کو سمجھنا آسان ہو گیا۔اسی کے ساتھ ادبی معاشرت میں مدح و ذم کے بہت سے تناظرات، کردار اور سیاق روشن ہو گئے اور یہ عقدہ بھی کھلا کہ یہاں کی فضا میں پائے جانے والے ادبی تعفن سے کس طرح بچا جاسکتا ہے اور اپنی راہیں متعین کی جاسکتی ہیں۔

جیلانی صاحب بنگلہ زبان بڑی روانی سے بولتے ہیں۔پہلے پہل تو بڑی حیرانی ہوئی کہ اردو کا کوئی باذوق استاد مقامی زبان کو اس روانی سے کیسے بول سکتا ہے مگر رفتہ رفتہ عقدہ کھلا کہ وہ بنگلہ ثقافت اور زبان کے بھی ماہر ہیں۔اردو والوں کے ساتھ ان کے تعلقات یکساں طور پر بنگالی حضرات سے بھی بڑے مستحکم ہیں اور وہ یہاں کی معاشرت میں رس بچ چکے ہیں۔

مرشد ابو بکر جیلانی صاحب میں بڑی خوبیاں ہیں۔وہ خالص علمی آدمی ہیں۔انھیں ایک بڑا اور سنجیدہ علمی و ادبی طبقہ بخوبی جانتا اور سمجھتا ہے۔معاصر ادبی سماج میں وہ نہ کسی گروہ سے وابستہ ہیں اور نہ انھیں کبھی اپنی شناخت کے لیے کسی سہارے کی جستجو میں سر گرداں ہی پایا گیا۔وہ طلبہ کو سیاست سے دور رہنے کا مشورہ دیتے ہیں مگر چونکہ سماج کی تشکیل میں سیاست ایک اہم محرک کا درجہ رکھتی ہے اور ادب، ادیب اور سیاست میں ناگزیر رشتہ ہے لہٰذا جیلانی صاحب سیاست کو اہم خیال کرتے ہیں لیکن اس کے لیے ایک حد اور وقت کے تعین کو بھی ناگزیر جانتے ہیں۔وہ خود سر گرم سیاست کا حصہ رہے تاہم انھیں گندی سیاست سے ہمیشہ خدائی بیر رہا۔موصوف حسنِ اخلاق کے پیکر، شیریں مقال اور سادگی پسند ہیں۔

کلکتہ یونیورسٹی کے اساتذہ کوارٹر میں منتقلی کے بعد بچوں کے داخلے کے سلسلے میں انھوں نے جناب محمد رئیس صاحب سے میری ملاقات کرائی اور کہا کہ رئیس صاحب میرے اسٹوڈنٹ ہیں، بچوں کے داخلے کے سلسلے میں یہ آپ کی رہنمائی کریں گے۔جیلانی صاحب کا یہ مشورہ بھی کچھ اتنا مناسب اور موزوں تھا کہ بچوں کی تعلیم و تربیت کے محاذ پر کلکتہ میں رئیس صاحب سے زیادہ مناسب شخص بھلا کون ہو سکتا تھا۔محسوس ہوا کہ جیلانی صاحب نے یہاں بھی حکیم حاذق کی طرح رئیس صاحب کا جو نسخہ تجویز کیا وہ میرے مسئلے کا کافی و شافی علاج نکلا۔جیلانی صاحب کے توسط سے انھوں نے بڑی مدد بہم پہنچائی اور اب تو یہ عالم ہے کہ رئیس صاحب کی حیثیت کلکتہ میں نہ صرف میرے فیملی ممبر کی ہے بلکہ وہ تارِ نفس کی طرح جزوِ جاں بن چکے ہیں۔جیلانی صاحب کی طرح جناب محمد رئیس بھی سراپا اخلاص ہیں۔ جس سے ملتے ہیں ٹوٹ کر ملتے ہیں اور تعلقات کے تقدس کا پاس رکھتے ہیں۔

جہاندیدہ انسان ہیں، زندگی کی دھوپ چھاؤں نے انھیں زمانہ شناس بنادیا ہے۔ اچھے بُرے انسان کو خوب پہنچانتے ہیں۔ آڑے وقت کے ساتھی ہیں؛ کلکتہ میں ہر اچھے بُرے وقت میں' میں نے انھیں ہمیشہ اپنے ساتھ پایا ہے۔ ہم دونوں کے درمیان جیلانی صاحب مشترکہ ورثہ یا نعمتِ غیر مترقبہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ گاہے بہ گاہے ہماری خبر گیری کرتے رہتے ہیں۔ ہم لوگ بھی ان سے کبھی بے گانہ نہیں رہتے بلکہ کبھی ان کے دولت کدے پر تو کبھی کسی مجوزہ پروگرام میں ان سے مل کر خود کو توانائی بخشتے رہتے ہیں۔ کانکور گاچھی، کلکتہ میں واقع باغ ماری مسلم قبرستان کی ہمسائیگی عذابِ جاں ہونے لگتی ہے تو ہم رئیس صاحب کے ہمراہ جیلانی صاحب کے فلک شگاف قہقہوں کی تلاش میں نکل پڑتے ہیں اور اپنی قیامت سی سنجیدگی کا دامن ان کے قہقہوں سے چاک کرتے ہیں اور زندہ دلی سمیٹ کر لوٹتے ہیں۔

جیلانی صاحب طبعاً جمال پرست ہیں۔ ان کے دل میں جھانکئے تو دل کے کسی کونے میں کوئی پری پیکر ضرور بیٹھی ملے گی بلکہ انھوں نے اپنے دل کا ایک گوشہ صنفِ لطیف کے لیے مختص کر رکھا ہے، جہاں پریاں قطار اندر قطار بستی ہیں، وہ نیلے نیلے پیلے پیلے پیرہن والی پریاں۔ سبکدوشی کے بعد بھی ان کی شخصیت جاذبِ نظر ہے اور انھیں اب بھی پری چہرہ لوگ بھاتے ہیں۔ اس محاذ پر ان کی باتیں سننے سے تعلق رکھتی ہیں؛ ان کا ماضی روشنی میں نہایا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ عمر کی پینسٹھویں منزل سے آگے کے سفر میں بھی ماضی کے جگنوان کے ساتھ چلتے ہیں اور ان کے قلب و نظر کو روشنیوں سے منور رکھتے ہیں۔ کبھی کسی محفل میں ان کا شکوہ اسی سیاق سے سامنے آتا ہے کہ محفل مایوس کن ہے، کوئی جاذبِ نظر صورت نظر نہیں آتی اور کبھی چہک کر مخاطب ہوں گے کہ واہ محفل میں نور برس رہا ہے؛ ان کے چہرے پہ آتے جاتے رنگ سے ان کی دلی کیفیت کو بہ آسانی سمجھا جا سکتا ہے۔ ان کی یہی کیفیت گل افشانیِ گفتار کا رخ اختیار کرتی ہے تو مخاطب محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مغربی بنگال اردو اکاڈمی کے سمینار ہال میں جناب عبدالستار فکر صاحب کی کتاب 'تجسس' کی رونمائی تھی۔ میں بھی شریکِ بزم تھا۔ جیلانی صاحب نے مائیک پر آکر بتایا کہ ''فکشن سے ان کا گہرا تعلق ہے اور اگر فکشن نگار عورت ہو تو اس سے ان کا گہرا انسلاک رہتا ہے''۔

بزمِ شار والے جناب اشرف جعفری جیلانی صاحب کا تیسرا نسخہ ہیں، جو انھوں نے کلکتہ میں مجھ جیسے مریضِ کتب کے لیے تجویز کیا ہے۔ میری دلچسپی کو دیکھتے ہوئے ایک بار انھوں نے اپنے حوالے سے مجھے اشرف احمد جعفری صاحب کے پاس بھیجا۔ میرے سلسلے میں غالباً انھوں نے جعفری صاحب کو پیشگی اطلاع دے دی تھی۔ جعفری صاحب یوں بھی بڑے خلیق اور منسکر المزاج واقع ہوئے ہیں، دیکھتے ہی لپکے اور بڑی عزت افزائی فرمائی۔ جعفری صاحب صحیح معنوں میں اہلِ کتاب ہیں، ان کی

شخصیت کتاب سے شروع ہوتی ہے اور اسی پر ختم بھی ہوتی ہے۔ بلکہ وہ کلکتہ میں علم و آگہی سے شغف رکھنے والوں کا مرجع ہیں۔ اپنے گھر کے ایک حصے کو انھوں نے لائبریری میں تبدیل کر رکھا ہے۔ ان کی یہ مبنی بر خانہ لائبریری 'بزمِ نثار کی لائبریری' کہلاتی ہے، وہ بزمِ نثار کے معتمد ہیں اور رضاکارانہ طور پر یہ خدمت انجام دیتے ہیں۔ اسکالرس، مضمون نگار، محقق، پروجیکٹ پر کام کرنے والے اور ہم جیسے ادب کے ادنی طالب سبھی اس شمع کے گرد پروانے کے مانند منڈلاتے ہیں۔ جیلانی صاحب نے جعفری صاحب کی نرم خو طبیعت اور ان کے شوق کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا، جعفری صاحب کا کام اور ان کا رویہ اس سے کہیں بڑھ کر نکلا۔ میرا احساس ہے کہ جیلانی صاحب علم بشریات میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ ان میں انسان کو پڑھنے اور پرکھنے کی بے پناہ قوت موجود ہے۔ جبھی تو انھوں نے اپنے گرد و پیش میں جن لوگوں کو اکٹھا کر رکھا ہے، وہ نہ صرف خوبیوں سے مملو ہیں بلکہ انہی کی طرح انسانی خدمت کو تکمیلِ ذات کا سامان تصور کرتے ہیں۔

جیلانی صاحب ماشاء اللہ اب بھی کافی ہشاش بشاش ہیں۔ معمول کے مطابق چلتے پھرتے اور کہیں نہ کہیں ملتے جلتے اور بات چیت کرتے نظر آجاتے ہیں۔ شکر ہے کہ سبکدوشی نے ابھی ان کی سدابہار شخصیت پر دبش نہیں ڈالی ہے اور نہ ہی ان کے عزائم کو متزلزل کیا ہے۔ ان سے مل کر کبھی احساس بھی نہیں گزرتا انھیں سبکدوش ہوئے بھی کئی برس بیت گئے بلکہ درست بات تو یہ ہے کہ ان سے مل کر زندگی میں ہمیشہ تازگی کا احساس ہونے لگتا ہے۔ ان کی قہقہہ بردوش طبیعت انھیں ہمیشہ فرحت بخش رکھتی ہے۔ وہ معمول کے مطابق ادبی سمیناروں اور محافل میں شریک ہوتے ہیں۔ کئی جگہ وہ مختلف حیثیتوں سے مدعو بھی ہوتے ہیں۔ جہاں مدعو نہیں بھی ہوں، طبیعت آمادہ ہوئی تو چلے جاتے ہیں۔ جہاں جگہ ملے بیٹھ گئے۔ ہٹو بچو والی زندگی سے انھیں گریز ہے۔ انھیں پاکر کسی نے اسٹیج پہ بلا لیا تو ٹھیک، کسی نے نوٹس نہیں لیا تو بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ اظہارِ خیال کی دعوت دی گئی تو برجستہ جو بات دل میں آئی کہہ دی اور کبھی تردد سے کام نہیں لیا۔ مجلسوں میں جیلانی صاحب کی گفتگو بالعموم مختصر ہوتی ہے۔ طویل اور لایعنی گفتگو نہ انھیں پسند ہے اور نہ وہ خود کرتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوا بلکہ بارہا ہوا کہ جیلانی صاحب نے فون کیا اور بتایا کہ روحِ ادب میں 'صحافت اور صارفیت' پر آپ کا مضمون پڑھا، عمدہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ ادب سے تعلق کا عالم یہ ہے کہ اب بھی ان کی کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ قائم ہے۔ موج شاکری اور سر سید کے حوالے سے ان کی کتابیں ذہن میں بالکل تازہ ہیں۔ وہ ایک باخبر ادیب ہیں۔ باخبری ہی ان کی متحرک اور فعال زندگی کا استعارہ ہے۔ جن لوگوں نے انھیں قریب سے دیکھا ہے، ان کی صحبتیں اٹھائی ہیں وہ اس کی گواہی دیں گے کہ جیلانی صاحب جینے کے فن سے واقف ہیں۔ ادبی اور معاشرتی جبر کے اس دور میں

ان کی زندگی عزم واستقلال، مثبت فکر، خیر طلبی اور باہمی احترام سے عبارت ہے۔اب جیلانی صاحب محض ایک فرد نہیں ایک جذبے میں ڈھل چکے ہیں۔ مرشد ویسے بھی فرد کہاں رہ جاتا ہے،اپنے عہد کا کبیر بن جاتا ہے اور سب کے لیے خیر طلب کرنے لگتا ہے۔

***